عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!!

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

شوال ۱۴۲۴ھ/دسمبر ۲۰۰۳ء

زیرسرپرستی: مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مدیر مسئول: ثاقب علی خان

مجلس مشاورت: مولانا محمد امین دوست، پروفیسر مسرت حسین شاہ، بشیر احمد طارق، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری۔

جلد دوم:
شمارہ: ۴

فہرست

فی شمارہ: ۱۵ روپے

سالانہ بدل اشتراک: ۱۶۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: مکان P-12 یونیورسٹی کیمپس پشاور۔

ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

عید الفطر

مختلف اطراف سے بندہ کے متعلقین منگل کے دن عید کے بارے میں پوچھتے رہے اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ بندہ کے ساتھ اعتکاف میں شامل چھ حضرات نے بروز پیر (۲۰۰۳۔۱۱۔۲۴) کو چاند دیکھ لیا تھا. چنانچہ تین حضرات کو اوقاف پلازہ صوبائی حکومت کی کمیٹی کے پاس گواہی کے لیے بھیجا گیا. گواہوں کے نام مندرجہ ذیل تھے.

۱. ڈاکٹر محمد اسلام — میڈیکل آفیسر خیبر ٹیچنگ ہسپتال پشاور

۲. ڈاکٹر شاھد حبیب — اسیسٹنٹ پروفیسر شفا میڈیکل کالج راولپنڈی

۳. ارباب وقاص — طالبعلم پولیس پبلک سکول پشاور

۴. وقار احمد — طالبعلم ایف ایس سی اسلامیہ کالج پشاور

۵. حامد — طالبعلم خیبر میڈیکل کالج پشاور

۶. بخاری شاہ — صحافی ''نیوز اخبار''

اس کے علاوہ بندہ کے محترم ساتھی حاجی احمد خان صاحب ڈپٹی سیکرٹری کے اپنے خاندان اور گاؤں سے مندرجہ ذیل گواہ تھے. عبدالحمید ولد احمد خان، موسیٰ خان ولد عیسیٰ خان، حافظ عبدالرزاق ولد محمد صادق، بہادر خان ولد میوہ حسن. بندہ کے تیسرے دوست ارباب اسرار احمد کے گاؤں تہکال بالا جہانگیر آباد سے مندرجہ ذیل تین گواہ تھے. بشیر ولد عمران، ناصر ولد جاوید، سراج ولد ذوالفقار. ان گواہوں کی دینداری، سمجھ بوجھ اور صحت نیز نظر کی درستگی شک وشبہ سے بالا تھی اس لیے بندہ کو پوری تسلی تھی.

اس بات پر بندہ کو بہت افسوس ہوا کہ ایک ایسے صوبے کے عوام اور علماء کے بارے میں بہت غیر معیاری باتیں کی گئیں جس صوبے کی دینداری اور روزے کا ذوق وشوق پورے ملک میں بلکہ پورے عالم اسلام میں مثالی ہے اور جہاں سارا سال چاند کے دیکھنے اور حساب رکھنے کا مختلف حلقوں میں رواج ہے.

۲۵ تاریخ کی شام مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان پر بہت حیرت رہی جس میں وہ انتہائی معصومیت کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے کہ صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے فلاں فلاں مقامات سے گواہی آئی. حالانکہ اسکی جگہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ چاند اتنا بڑا ہے کہ ہر کسی کو نظر آ رہا ہے لہذا گواہیاں جمع کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور ایسے روشن چاند کے ہوتے ہوئے پاکستان کا کوئی آدمی بھی رویت ہلال کمیٹی یا اسکے اعلان کا محتاج نہیں.

کسی کے سوال کا جواب

حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب

کسی نے سوال کیا کہ لوگ جب نیکی کی طرف بلائے جاتے ہیں تو کیوں نہیں آتے؟ اور بُرائی کی طرف خود بخود چلے جاتے ہیں؟

جواب: جب بھلائی کے راستے کو دیکھتے ہیں اس پر نہیں آتے اور بُرائی کی راہ کو دیکھ کر فوراً اختیار کر لیتے ہیں، اس کے اسباب ہیں۔ انسان اپنے اندر خیر کی جملہ صلاحیتیں رکھتا ہے لیکن یہ دُنیا آزمائش گاہ ہے۔ انسان اونچی مخلوق ہے، اس لئے اس کی آزمائش بھی بڑی ہے۔ جب دُنیا میں بھیجا گیا تو اس کے درجات کی بلندی کے لئے اور خیر کے راستوں پر آنے کے لئے راستے میں رکاوٹیں اور موانع رکھے گئے۔ یہ اس کی سرفرازی کی راہ ہے۔ اگر یہ موانع نہ ہوتے تو پھر تو کوئی بات ہی نہ تھی ہر انسان متقی اور پرہیزگار ہوتا۔ ان رکاوٹوں کے ساتھ جہاں خیر کے لئے انسان کے اندر دل رکھا وہاں نفس امارہ بھی رکھا، جس کی ہر آن چاہت بُرائی کے ساتھ ہے۔

وَمَآ اُبَرِّ ئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَ مَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف:۵۳)

میں اپنے نفس کو بَری نہیں کرتا، بے شک میرا نفس مُجھے بُرائی پر اُبھارتا ہے۔ نیکی کے اختیار کرنے میں سب سے بڑا مانع اور رکاوٹ اپنا نفس ہے۔ آپ کی بولی میں Enemy No.1 ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے اور سر باہر نکالتا ہے تو روتا ہے۔ ابھی پورے کا پورا اس دُنیا میں نہیں آیا اور حضرت شیطان پہنچ گیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ شیطان کچوکا لگاتا ہے تو بچہ روتا ہے اور شیطان سب سے پہلے نومولود کا استقبال کرتا ہے۔

قرآن شریف میں شیطان سے استثناء صرف حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے۔ باقی انبیاء کرام کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان پر بھی شیطان نہیں آیا ہوگا۔ اولیاء اللہ کے متعلق بھی ہم کچھ کہہ نہیں سکتے ہیں بعض اولیاء کرام شروع میں ڈاکو تھے بعد میں اللہ نے ان پر فضل کیا اور توبہ تائب ہو کر اولیاء کرام کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔

تیسری چیز انسان کا ماحول ہے۔ انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے جیسا ماحول ہوتا ہے ویسا ہی انسان اثر لیتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر بچہ فطرت (یعنی دین توحید) پر پیدا ہوتا ہے لیکن والدین اس کو نصرانی، یہودی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ ماحول میں بہت سی چیزیں آ جاتی ہیں۔ نفس امارہ کی پرورش کے لئے

سامان بچپن سے مل جاتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کو چھوڑیئے اب تو پاکستان میں بچہ کو اپنے گھر میں دینی ماحول نہیں ملتا۔ وہ زمانہ چلا گیا کہ اماں قرآن پڑھ رہی ہے اور رو رہی ہے۔ اور والد صاحب رات کو تہجد کی نماز میں کھڑے ہیں اور بچہ سن رہا ہے۔ اب تو بچے کے کان میں اذان سے پہلے گانے کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ اب تو ابا جی اور اماں جی کی جگہ ڈیڈی، ممی اور بیٹے کی جگہ 'بے بی' نے لے لی۔ ذرا بڑا ہوا تو سکول بھیج دیا جہاں پر خدا و رسول اور آخرت کی کوئی بات نہیں۔ بلی جھپٹی، چوہا دوڑا وغیرہ کلمات کتابوں میں لکھے ہیں۔ ہم خود ہی بچوں کے قاتل ہیں۔ بقول اکبر الہ ابادی مرحوم ؎

گزر اُن کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

تربیت کا رُخ بہت کم ہے، شاید ایک لاکھ میں ایک ہوگا۔ معاشرہ، ماحول و حالات کو دیکھئے۔ ایسے ماحول میں بقول مفتی محمد حسنؒ کے جو کوئی ایمان کے ساتھ اس دُنیا سے چلا گیا وہ ولی ہے۔ کسی کا قول ہے کہ چوں گِل بسیار شود فیلاں بلغزند (کہ جب کیچڑ زیادہ ہو جاتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں۔) اسی طرح جب ہر طرف گُناہ کا ماحول ہوتا ہے تو اچھے اچھے متقیوں کے لئے بچنا مُشکل ہو جاتا ہے۔ تو جب یہ تمام ماحول ایسا خراب ہو تو انسان کے نفس کی جو پرورش ہوگی وہ بُرائی کی طرف مائل ہوگی۔ نفس کو تو آپ نے خوب تروتازہ اور موٹا کر دیا اور وہ عقل جو نفس کو قابو رکھ سکتی تھی وہ انتہائی کمزور ہے۔ حضرت سیّد صاحب (سلیمان ندویؒ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ نفس پر عقل کا غلبہ رہے، اور عقل شریعت کی تابع ہو۔ فرمایا کہ انسان سے گُناہ اس وقت سرزد ہوتا ہے جب انسان کی عقل پر جذبۂ نفس غالب ہو جاتا ہے۔ شیطان گھر کے بھیدی (نفس) کو ساتھ ملا کر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ قیامت میں شیطان کہے گا **فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ** (کہ مُجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفس کو ملامت کرو۔) دین کی جو بات آجائے گو وہ نفس کے خلاف بھی ہو، ہم اس کو کریں اور نفس کی نہ مانیں۔ چونکہ ہم فکر آخرت اور خدا کے تعلق سے خالی ہو گئے اور اسلام کا صرف نعرہ لگاتے ہیں۔ نہ اسلام کی حقیقت معلوم نہ اسلام کا پیام و پیغام معلوم تو نفس و شیطان کے آسانی کے ساتھ شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ خانہ خالی را دیو می گیرد (خالی گھر میں جنات رہنے لگتے ہیں) ہم اس وقت خلاء میں رہ رہے ہیں۔ 51-1950ء میں میں نے مسلم لیگ کے جلسوں میں یہ بات کہہ دی تھی

کہ اگر تم اِس قوم کو جس بنیاد پر پاکستان بنایا ہے کے مطابق نہیں چلاؤ گے، اور اس قوم میں اسلام نہیں لاؤ گے تو ایسا خلا پیدا ہو جائے گا کہ جس کا بھرنا مُشکل ہو جائے گا۔ ایک دفعہ خواجہ ناظم الدّین کے مکان پر مسلم لیگ کی میٹنگ ہوئی تھی، اس وقت بھی میں نے یہ کہا تھا کہ اگر پاکستان کو قائم رکھنا چاہتے ہو تو دینی بُنیادوں پر ذہنوں کو بنانا پڑے گا۔ اگر دینی بُنیادوں پر ذہن نہیں بناؤ گے تو پھر پاکستان کا اکٹھا رکھنا بہت مُشکل بلکہ ناممکن ہو گا کیونکہ مغربی اور مشرقی پاکستان میں بجز دین کے اور کوئی اشتراک نہیں ہے۔ اگر تم اس دینی جذبہ کو مضبوط نہیں کرو گے تو اس 7 کروڑ (غالباً اُس وقت متحدہ پاکستان کی آبادی 7 کروڑ تھی) کے مسلمانوں کی کشتی کو ڈبو دو گے۔ آج ہم اپنی بوئی ہوئی فصل کاٹ رہے ہیں۔ بقول شیر حسن صغیر (جو 1964 تک ہندوستان میں تھے) کے ہم سے ہندوؤں کی طرح سکول میں ہاتھ جڑوائے جاتے تھے۔

21 سال کے عرصہ میں ہندوستان کے دیہات میں یہ نوعیت ہوگئی کہ 80 فیصد مسلمان السلام علیکم نہیں کہتے بلکہ نمستے کہتے ہیں۔ 21 سال تک مسلمان بچے وہاں سکولوں میں ہندی پڑھتے رہے۔ دو نسلیں نکلی ہیں۔ آج بھی وہاں اکثر طالب علم پاکستانی ذہن کے ہیں بشرطیکہ تعلیم و تربیت درست ہو اور اسلام و توحید و رسالت کے جذبہ کو اُجاگر کیا جائے۔

ہمارے ہاں دینی جذبہ ٹھنڈا اور مدھم کرنے کے لئے تین سکیمیں چلیں۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان نے اس کی ابتدا کی۔ پنڈی سازش کیس میں عدالت نے کہا کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی بیوی آزادی پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اسی طرح بنگال میں CSP والوں نے آزادی کی مُہم شروع کی۔ پاکستان بننے سے پہلے اتنی بے حیائی نہیں تھی۔ 1947 میں عورتوں کا جلوس نکلتا تھا مگر ایک عورت بھی بے پردہ نہیں ہوتی تھی۔ (وہ جلوس بھی شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں تھے) حضرت سید صاحب نے مضمون لکھا تھا کہ عورتیں تیر و تفنگ سیکھنے کی بجائے دوسرے تیر و تفنگ (آنکھیں) استعمال کرنا شروع نہ کر دیں۔ یورپ کو آپ ذرا نزدیک سے اور گہرے رُخ سے دیکھئے۔ یورپ کی بُنیادوں میں جو چیز رچی ہوئی ہے وہ بے حیائی ہے۔ اگر تم کسی سوسائٹی کو تباہ کرنا چاہتے ہو تو اُسے شہوات کے رُخ پر ڈال دو۔ اور اس کے لئے سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جوانی کے زمانہ میں ذہنوں میں جنسی خلفشار پیدا کرو۔ سینما، ناول اور (آج کل ٹی وی، وی سی آر، ڈش اور انٹرنیٹ) وغیرہ سب مُلک کی نئی نسل کی اور معاشرہ کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ اشتہاروں کو دیکھئے۔ آج سے تقریباً دس سال قبل کا واقعہ ہے، میں امتحان میں ڈیوٹی دے رہا تھا، ایک لڑکے نے پرچہ جلدی دے دیا، میں نے پرچہ

دیکھا تو لکھا تھا۔

Naked Maja, Naked Maja

Rim, Jim, Rim, Jim

میں شہر جا رہا تھا تو دیکھا کہ ناز سینما میں **Naked Maja** فلم کا اشتہار لگا ہوا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ انسان کو برباد کرنے کے لئے سب سے زیادہ بڑی اور قوی بات اس کو شہوات میں مبتلا کرنا ہے۔ 1911 میں جب اقبال پہلی دفعہ یورپ سے آئے تو علی گڑھ میں ایک خطبہ دیا جس کا عنوان تھا ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' اقبال نے کہا کہ ہمارے باپ دادا بچوں کو عمرانی علوم پڑھانے سے پہلے قرآن پڑھاتے تھے۔ وہ ہماری ذہنی افتاد سے ہم سے زیادہ واقف تھے۔ شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آیا

ع دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے۔

مُرغ پر نارستہ چو پراں شود

طعمہ ہر گربئہ دراں شود

جو پرندہ ابھی ننھا سا ہو اور پروں سے بھی محروم ہو، اگر اڑنے کی کوشش کرے گا تو قریب ہی تاک میں بیٹھی ہوئی بلی اسے پھاڑ کھائے گی۔ اسی طرح ناپختہ ذہن والے جب بھی کسی چیز کو دیکھتے ہیں اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور اس کو درست سمجھتے ہیں۔ بس شاہ ولیؒ کی اُلو والی مثال ہوگی، جو حاجی بشیر اس کیلئے لائے تھے۔ شاہ ولیؒ نے نہ اُلو دیکھا تھا اور نہ حرم کا کبوتر۔ حاجی بشیر صاحب کو معلوم تھا کہ شاہ ولیؒ نے نہ کبوتر دیکھا ہے اور نہ اُلو۔ تو حاجی بشیر شاہ ولیؒ کے لئے حرم کے کبوتر کے بجائے اُلو لے آئے، تو شاہ ولیؒ نے اس کو چومنا شروع کیا۔ لوگوں نے کہا یہ کیا کرتے ہو یہ تو اُلو ہے۔ شاہ ولیؒ نے کہا نہیں یہ تو حرم کا کبوتر ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضروری اطلاع

تمام دوست حضرات کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ماہِ دسمبر کا اجتماع اس مہینے کی ۲۷ تاریخ بروز ہفتہ بعداز نمازِ مغرب منعقد ہوگا انشاء اللہ

حضرت میاں سعید اللہ مدظلہ

حفاظت قرآن مجید

سورتوں میں تقسیم:

سورتوں اور اجزاء میں قرآن مجید کی تقسیم ہونے سے بھی اس کے حفظ کرنے میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ زمخشری نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ جب پڑھنے والا کوئی سورۃ یا کتاب کا کوئی باب ختم کرتا ہے اور دوسرے باب کو شروع کرتا ہے تو اس سے اس میں آگے پڑھنے اور ختم کرنے کے لئے نشاط پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال راستے پر لگے ہوئے سنگِ میل اور فرسخوں کی سی ہے کہ جب مسافر مسافت کا کوئی حصہ طے کر کے ان نشانیوں کو دیکھتا ہے تو اس کو اس طے شدہ مسافت کا علم ہو جاتا ہے جس سے اس میں آگے بڑھنے کے لئے نشاط پیدا ہو جاتی ہے۔ حفظ میں آسانی پیدا کرنے کے لئے بعد میں قراء نے قرآن پاک کو اخماس، اسباع اور عشور میں تقسیم کیا۔

اخماس: جو شخص قرآن پاک پانچ دنوں میں ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ حصے مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا خمس: سورۃ المائدہ کی آیت ۸۱ پر پورا ہو جاتا ہے۔

دوسرا خمس: سورۃ یوسف کی آیت ۵۲ پر پورا ہو جاتا ہے۔

تیسرا خمس: سورۃ الفرقان کی آیت ۲۰ پر پورا ہو جاتا ہے۔

چوتھا خمس: سورۃ حمٓ السجدہ کی آیت ۴۶ پر پورا ہو جاتا ہے۔

پانچواں خمس: سورۃ حمٓ السجدہ کی آیت ۴۷ سے ختم قرآن تک ہے۔)

اسباع:

(اسباع: جو شخص قرآن مجید کو سات دنوں میں ختم کرنا چاہے تو اس کے لئے سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا سبع: سورۃ النساء کی آیت ۶۱ پر پورا ہو جاتا ہے۔

دوسرا سبع: سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۰ پر پورا ہو جاتا ہے۔

تیسرا سبع: سورۃ ابراھیم کی آیت ۲۵ پر پورا ہو جاتا ہے۔

چوتھا سبع: سورۃ المؤمنون کی آیت ۵۵ پر پورا ہو جاتا ہے۔

پانچواں سبع: سورۃ السبا کی آیت ۲۰ پر پورا ہو جاتا ہے۔

چھٹا سبع: سورۃ الفتح کی آخری آیت پر ختم ہو جاتا ہے۔
ساتواں سبع: سورۃ الحجرات کی پہلی آیت سے ختم قرآن تک ہے۔)
عشور
(عشور: قرآن مجید کی تقسیم دس حصوں میں کی گئی ہے۔
پہلا عشر: سورۃ آل عمران کی آیت ۹۰ پر پورا ہو جاتا ہے۔
دوسرا عشر: سورۃ المائدہ کی آیت ۸۱ پر پورا ہو جاتا ہے۔
تیسرا عشر: سورۃ الانفال کی آیت ۴۱ پر پورا ہو جاتا ہے۔
چوتھا عشر: سورۃ یوسف کی آیت ۵۲ پر پورا ہو جاتا ہے۔
پانچواں عشر: سورۃ الکھف کی آیت ۴۷ پر پورا ہو جاتا ہے۔
چھٹا عشر: سورۃ الفرقان کی آیت ۲۰ پر پورا ہو جاتا ہے۔
ساتواں عشر: سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۰ پر پورا ہو جاتا ہے۔
آٹھواں عشر: سورۃ حم السجدہ کی آیت ۴۶ پر پورا ہو جاتا ہے۔
نواں عشر: سورۃ الحدید کی آخری آیت پر پورا ہو جاتا ہے۔
دسواں عشر: سورۃ المجادلہ کی پہلی آیت سے ختم قرآن تک ہے۔
اور اجزا سے مراد قرآن مجید کے تیس ۳۰ پارے ہیں۔(ابن الجوزی: فنون الافنان: باب ذکر اجزاء القرآن ص ۴۴:۴۵)

اور اجزا میں قرآن مجید کو تقسیم کیا[۱] (الزمخشری: الکشاف ۱:۲۴۱)

جلال الدین سیوطیؒ نے کہا ہے کہ اس سے بچوں کیلئے حفظ کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی ہے چنانچہ ان کو پہلے چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرائی جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے بچوں میں بتدریج لمبی لمبی سورتوں کے حفظ کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے اس کی تائید میں الزرکشی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ **ان فیه تیسراً للحفظ** (اس سے حفظ میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔)

تدریجی نزول:

قرآن مجید دفعۃً نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۝ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

ترجمہ: اور ہم نے قرآن میں جابجا فصل رکھا تا کہ آپ ﷺ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور اس کو اتارنے میں بھی تدریجاً اتارا۔

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ **دال علٰی تدریج نزولہٖ لیسھل حفظہ و فھمہ** (روح المعانی ۱۵:۱۷۴) یعنی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مجید درجہ بدرجہ نازل ہوتا رہا تا کہ اس کے یاد کرنے میں اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

موسیٰ جاراللہ روستوفدونی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت صحابہ کرامؓ کو یاد کروادیا کرتے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار اس کا اعادہ کرتے جب وہ مطمئن ہو جاتے کہ اب انہوں نے اسی طریقۂ ادا سے یاد کرلیا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھایا تھا تو وہ متعدد بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی تلاوت کرتے اور پوچھ لیتے کہ آیا ہم نے اسی طرح یاد کرلیا ہے جس طرح نازل ہوا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو یقین دلا دیتے تو اس کے بعد وہ اپنی اولاد اور ان لوگوں کو جو کہ نزول وحی کے وقت موجود نہ ہوتے نازل شدہ آیات/سورت یاد کرانے میں لگ جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دو دنوں میں تواتر کے درجے میں ایک بڑی جماعت کے سینوں میں وہ آیات محفوظ ہو جاتی تھیں۔ (روستوفدونی۔ تاریخ القرآن والمصاحف)

تدریجی نزول کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو یاداشت کی قوت سے بھی مالا مال کیا ہوا تھا جس کی بنا پر ان کے لئے قرآن مجید کو یاد کرنا آسان تھا۔ جیسا کہ محمد زاہد الکوثری نے کہا ہے:

وسھل حفظ القرآن علی الصابتہ ما اٰتھم اللّٰہ من قرۃ الذاکرۃ و سرعتہ الحفظ وما حفظہ العرب من القصائد و الخطب و الشواھد مما یر ھشر الامم (الکوثری: المقالات:۴۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ایسی قوت یاداشت عطا فرمائی تھی جس نے ان کے لئے قرآن مجید حفظ کرنا آسان کر دیا تھا۔ اور عرب کو اتنے قصائد، خطبات شواہد اور امثال یاد تھے جو اقوام عالم کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

روستوفدونی اور الکوثری کی بات کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے۔ جن میں سے ایک روایت عمرو بن سلمہ کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

كنا بماء ممر الناس يمر بنا الركبان نسألهم ماللناس؟ ماللناس؟ ماهذا الرجل؟ فيقولون يزعم ان اللّٰه ارسلهٗ اوحى اليه كذااوحى اليه كذافكنت احفظ الكلام فكانما يغرى فى صدرى و كانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فيقولون اتركوه و قومه فانهٗ ان ظهر عليهم فهونبى صادق، فلما كانت وقعة الفتح بادر كل قوم باسلامهم فلما قدم قال جئتكم واللّٰه من عند النبى حقاًفقال صلو اصلٰوة كذافى حين كذا فاذا حضرت الصلٰوة فليئوذن احدكم فليئومكم اكثر كم قراناً فنظر وانلم يكن احد اكثر قراٰناًمنى لماكنت اتلقّٰى من الركبان فقد مونى بين ايديهم وانا ابن ست اوسبع سنين و كانت علىّ بردة كنت اذا سجدت تقلصت عنى، فقالت امراة من الحى الاتغطون عنا است قارئكم ، فاشتروا فقطعوالى قميصاً فمافرحت بشئى فرحى بذالك القميص . (مشکوٰۃ المصابیح باب الامامۃ)

ترجمہ: ہم ایسے مقام پر بستے تھے جو کہ پانی کے کنارے پر تھا۔قافلے ہمارے پاس سے گذرتے تھے،ہم ان سے پوچھتے کیا ہے لوگوں کے واسطے؟ کیا ہے لوگوں کے واسطے؟ یہ شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کیسا ہے؟ وہ کہتے کہ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔اس کو اس بات کی وحی کی ہے،اس بات کی وحی کی ہے تو میں اس کلام کو یاد رکھتا تھا گویا کہ وہ کلام میرے سینے میں چمٹ جاتا (یعنی خوب یاد رہتا) عرب اسلام کے قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے،وہ کہتے اس کو چھوڑ دو اس کی قوم کے ساتھ اگر اس نے اپنی قوم پر فتح پالی تو سچا نبی ہوگا۔جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں کافی جلدی کی۔ میرے باپ نے بھی اسلام لانے میں بہت پہل کی۔جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس ہوئے تو انہوں نے کہا خدا کی قسم میں واقعی حق نبی کی طرف سے تمہاری طرف آیا۔جس نے یہ ارشاد فرمایا تم ایسی نماز فلاں وقت میں پڑھو اور ایسی نماز فلاں وقت میں پڑھو (یعنی نماز کے اوقات اور کیفیت بیان فرمائی) جب نماز کا وقت آجائے پس چاہئے کہ تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں سے وہ امام ہو جو تم میں سے زیادہ قرآن مجید یاد رکھنے والا ہو۔قوم نے امام کے مقرر کرنے میں تامل سے کام لیا تو مجھ سے زیادہ قرآن جاننے والا کوئی نہ تھا کیونکہ میں ہر موقع پر قافلے والوں سے ملتا تھا پس انہوں نے مجھ کو امام بنالیا۔اس وقت میں چھ یا سات سال کا بچہ تھا مجھ پر ایک چادر تھی جس وقت میں سجدہ کرتا تو چادر میرے بدن سے سمٹ جاتی تو قوم میں سے ایک عورت نے کہا کیا تم ہم میں سے اپنے امام کے چوتڑ نہیں چھپاتے !تو قوم نے کپڑا خریدا اور میرے

لئے کرتا بنایا تو میں کسی چیز سے اتنا خوش نہ ہوا جتنا اس قمیص سے خوش ہوا تھا۔

عربوں کی یاداشت کے قوی ہونے کی بناء پر فطری طور پر انہیں اشعار، انساب اور ہر بلیغ کلام کے حفظ کرنے کا شوق تھا۔ لیکن جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا جس کی بلاغت کو کسی شاعر یا ادیب کی بلاغت نہیں پہنچ سکتی تو ان کی توجہ ان چیزوں سے ہٹ گئی اور قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چنانچہ جب بھی وہ قرآن مجید سنتے تو وہ ان کو بغیر کسی مشقت برداشت کرنے کے یاد ہو جاتا جیسا کہ عمرو بن سلمہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کی قوم شاہراہ سے گزرنے والے قافلوں سے جو آیات سن لیتے تو وہ ان کو بغیر کسی مشقت اٹھانے کے یاد ہو جاتے اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ رسالت کی وجہ سے لوگ یہ چاہتے تھے کہ ان کو اس کلام کی اطلاع ہو جائے جس کو آپ خدا کے پیغام کی بناء پر لوگوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ اور تھوڑا تھوڑا نازل ہونے، اسلوب بیان میں انتہائی درجہ کی حلاوت و بلاغت تک پہنچنے اور قوت یاداشت کے قوی ہونے کی وجہ سے ان کو اس کلام کے حفظ کرنے میں کوئی مشقت نہ اٹھانی پڑتی، خواہ وہ بڑے تھے یا چھوٹے، تا حال وہ اسلام لا چکے تھے یا نہیں۔

سالانہ اور آخری تکرار:

ہر سال رمضان کے مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرئیلؑ ایک دوسرے کو نازل شدہ قرآن پاک سناتے۔ جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہونے والا تھا اس سال ایک دوسرے کو دو دفعہ قرآن پاک سنایا جیسا کہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں:

اسر الی النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم ان جبرئیل کان یعارضنی بالقراٰن کل سنۃ وانہ عارضنی االعام مرتین و لا اراہ الا حضر اجلی (صحیح بخاری مع الفتح الباری ۱۰: ۴۱۹)

ترجمہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ سرگوشی فرمائی کہ جبرئیلؑ ہر سال میرے ساتھ قرآن مجید کا معارضہ کرتے تھے مگر اس سال انہوں نے میرے ساتھ دو دفعہ معارضہ کیا اور اس کی وجہ مجھ کو یہ معلوم ہوتی ہے کہ عنقریب میری رحلت ہونے والی ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے معارضہ کی تشریح یوں فرمائی ہے:

والمعارضۃ مفاعلۃ من الجانبین کان کلا منھما کان تارۃ یقرٔ والاخر یستمع (الفتح الباری)

ترجمہ: معارضہ باب مفاعلۃ ہے جس میں دونوں جانب سے عمل ہوا کرتا ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک ایک

دفعہ قرأت کرتا اور دوسرا سنتا۔

اور علامہ محمد زاہد الکوثری نے کہا ہے "**والمعارضة تكون بمعارضة هٰذامرة و استماع ذٰک ثم قراء ة ذٰک واستماع هٰذا تحقيقا طعنى المشاركة فتكون القراء ة بينهما فى كل سنةٍ مرتين و فى سنة وفاتهٖ اربع مراتٍ**" (الکوثری: المقالات)

ترجمہ: معارضہ کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک دفعہ یہ قرأت کرتا ہے اور وہ سنتا ہے اور پھر وہ قرأت کرتا ہے اور یہ سنتا ہے تا کہ مشارکتہ کا معنیٰ محقق ہو جائے۔ اس لئے ہر سال دونوں کی آپس میں قرأت دو دفعہ ہوتی تھی مگر جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال چار مرتبہ ہوئی۔

ہر سال قرآن مجید کے معارضہ میں یہ فائدہ تھا کہ ان الفاظ اور لہجہ میں پختگی پیدا ہو جائے جن الفاظ اور لہجہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ سے نزول کے وقت سنتے تھے۔

(۸) وجوب قرأت:

نماز میں قرآن مجید کی قرأت کو فرض کر دیا گیا، جس سے امت کے ہر ہر فرد پر یہ لازم کر دیا گیا کہ اگر وہ پورا قرآن مجید یاد نہ کر سکے تو کم از کم اسے قرآن مجید کا کوئی نہ کوئی حصہ لازمی طور پر یاد ہو جس کو وہ روزانہ پانچ اوقات نمازوں میں اپنی یاد سے تلاوت کر سکے۔ چنانچہ اس بات کو مزید اہم بنانے کے لئے اور ظاہر کرنے کے لئے کہ نماز میں قرأت کی فرضیت سے امت پر قرآن کے حفظ کا فریضہ عائد کر دیا گیا ہے قرآن مجید میں نماز کی فرضیت سے متعلقہ آیات میں کبھی نماز پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے اور کبھی قرآن مجید کی قرأت پر نماز کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں نماز پر قرآن کا اطلاق فرمایا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ (بنی اسرائیل: ۷۸)

ترجمہ: آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔

جبکہ درج ذیل آیت میں قرآن مجید کی قرأت پر صلوٰۃ (نماز) کا اطلاق فرما دیا۔

وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (بنی اسرائیل : ۱۱۰)

ترجمہ: اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھیئے اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھیئے۔

امام بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے "**اى بقرأ تک فيسمع المشركون فيسبوا القراٰن ولا تخافت بها عن اصحابک فلا تسمعهم**" (صحیح بخاری :۲:۶۸۶)

ترجمہ: یعنی قرآن مجید کی قرأت اونچی آواز سے نہ پڑھو کیونکہ جب مشرکین سنیں گے تو قرآن مجید کو گالیاں دیں گے اور صحابہؓ سے چپکے چپکے بھی نہ پڑھو کیونکہ پھر آپ ان کو نہیں سنا سکیں گے۔

اور ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے "**وفی روایۃ الطبری و لا تجھر بصلاتک ای لا تعلن بقرأۃ القراٰن اعلاناً شدیداً فیسمعک المشرکون فیئوذونک.**" (فتح الباری ۱۰:۲۰)

ترجمہ: طبری کی روایت میں **وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ** کا معنیٰ یہ بتایا گیا ہے کہ اتنی اونچی آواز سے مت پڑھو کہ مشرکین سن سکیں کیونکہ وہ تم کو ضرور ضرر (تکلیف) پہنچائیں گے۔

بہرحال **قرآن الفجر** سے مراد صلاۃ فجر ہے اور **لاتجھر بصلاتک** میں صلوٰۃ سے مراد قرآن مجید کی قرأت ہے۔ چنانچہ ابن مسعودؓ نے ایک طویل حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔**انما الصلوٰۃ لقراۃ القراٰن و ذکر اللّٰہ** (مشکوٰۃ المصابیح ۹۱)

ترجمہ: نماز قرآن مجید کی قرأت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہے۔

چونکہ نماز قرآن مجید کے حفظ کا اہم تریں ذریعہ ہے اس لئے پانچ وقت کی فرض نمازوں کے علاوہ قرآن وحدیث میں ہر وقت نفلی نماز پڑھنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ خصوصاً رات کے آخری حصّے میں جبکہ دل ودماغ تشویشات سے فارغ ہونے کی بناء پر قرآن مجید کی قرأت سننے کی طرف متوجہ ہوتا ہے، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی لمبی نماز پڑھتے جس میں کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوجھ گئے۔ (سنن الترمذی :۵۸۸)

ایک دفعہ حضرت حذیفہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپؐ نے چار رکعت نماز میں سورۃ البقرۃ، آل عمران، النساء اور المائدہ کی تلاوت فرمائی۔ (ایضاً :۵۸۹)

صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے اس عمل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حد تک پیروی کی کہ انہوں نے رات کا سونا ترک کر دیا تھا۔ ان کے اس شوق کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس عمل میں میانہ روی اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔ (صحیح مسلم ۱:۲۶۶) جسکی تائید مندرجہ ذیل آیات سے بھی فرمائی گئی۔

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل و نصفہ و ثلثہ و طآئفۃ من الذین معک واللّٰہ یقدر اللیل و النھار علم ان لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرء وا ما تیسر من القراٰن علم ان سیکون منکم مرضی و اٰخرون تضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ و

اٰخرون تقاتلون فی سبیل اللّٰہ فاقرء و ا ما تیسر منہ و اقیمو االصلٰوۃ (المزمل :۷۳ آیت ۲۰)

ترجمہ:

بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو کھڑا رہتا ہے نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ تیرے ساتھ کے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے رات اور دن کو۔ اس نے جان لیا کہ تم پورا نہ کر سکو گے سو تم پر معافی بھیجی اب قرآن پڑھو جتنا تم کو آسان ہو۔ اور جان لیا کہ کتنے تم میں سے بیمار ہوں گے اور کتنے لوگ تم میں سے ملک میں اللہ کا فضل ڈھونڈنے نکلیں گے اور کتنے لوگ اللہ کی راہ میں لڑیں گے سو پڑھ لیا کرو جتنا آسانی سے پڑھ سکو اور نماز کو قائم رکھو۔

اس آیت میں رات کے وقت نماز پڑھنے میں میانہ روی اختیار کرنے کے لئے علت (وجہ) کے طور پر تین چیزیں بیان فرمائی گئیں۔

۱ مرض۔

۲ رزقِ حلال کی تلاش۔

۳ جہاد فی سبیل اللہ۔

مؤمن کی زندگی کا مقصد و نصب العین قرآن مجید کی حفاظت اور اشاعت ہے اور یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جبکہ اس سے متعلقہ ذرائع مکمل طور پر حاصل ہوں۔

یہ ذرائع:

۱ کامل عقل اور کامل صحت۔

۲ کمائی۔

۳ اور دشمن کی لڑائی سے فراغت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اِن احوال میں قرآن مجید کی قرأت میں آسانی اختیار کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

چنانچہ جو لوگ مرض میں مبتلا ہوں یا جہاد اور کمائی میں مشغول ہوں ان کے لئے رات کو دیر تک کھڑے ہو کر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا دیا کہ: **فاقرء و ا ما تیسر منہ** یعنی جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔

حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کا ایک خواب

حضرت مولانا محمد اشرف پشاوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ (مولانا زکریاؒ) کے ایماء پر فضائل اعمال (جو حضرت کی فضائل کی کتابوں اور حکایات صحابہ پر مشتمل ہے) کا فارسی ترجمہ شروع کیا۔ ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دیکھا، آپ نے (یعنی حضرت تھانویؒ) نے ارشاد فرمایا "آپ کو فارسی آ گئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا!"۔ پھر پوچھا، "کیا آپ کو عربی آتی ہے؟" بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا "جرس" کے کیا معنی ہیں؟ اور جب بندہ نے معانی عرض کیے تو انتہائی مسرت وابتہاج سے حافظ شیرازیؒ کی وہ پوری غزل سنائی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے

ع جرس فریاد می دارد که بر بندید محملها

بندہ نے ایک سفر حج پر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مقامہ کو یہ خواب سنایا، نہایت مسرور ہوئے اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا، "حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا۔"

اس کے تھوڑی دیر بعد حضراتِ تبلیغ مخدومی المکرّم حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدت فیوضہم وغیرہ تشریف لائے تو حضرت نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا، "ان حضرات کو بھی اپنا خواب سناؤ"۔ اور پھر مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا "حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے"۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ (متوفیٰ ۷۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

"حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو اسمِ اعظم معلوم ہے بیان فرمایئے کونسا نام اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے؟"

آپ نے جواب دیا کہ:

"معدہ کا لقمۂ حرام سے خالی رکھنا اور دل کو محبتِ دنیا سے خالی کرنا ہی اسمِ اعظم ہے۔ اس کے بعد جس نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارو گے وہی اسمِ اعظم ہوگا۔"

(فوائد الفواد)

حضرت عبداللہ درخواستی صاحبؒ کا بیان گنبد خضریٰ مدنیہ منورہ کے سامنے

آپؒ (حضرت عبداللہ درخواستی) نے حسب معمول ایک طویل خطبہ عربی زبان میں دیا جو آیات قرآنیہ اوراحادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا،اس کے بعد حضرت نے فرمایا:

تمام مسلمان مردوں اورعورتوں کی کامیابی کے لیے دس اصول ہیں اگران پر عمل کیا جائے تو کامیابی حاصل ہوجائے گی،ان اصولوں کی پابندی اگرچہ ہر مسلمان کے لیے ضروری اور مفید ہے مگر علوم شرعیہ کے طلباء کے لیے تو ان پر عمل کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔وہ دس اصول یہ ہیں:

پہلا اصول جو بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس کا نام ''اصلاحِ عقائد'' ہے اس لیے کہ جب تک عقیدہ درست نہ ہو،نہ تو کوئی عمل ہوسکتا ہے اور ہی نیک عمل قبول ہوسکتا ہے۔ان عقائد میں سے پہلا عقیدہ ''ایمان باللہ'' ہے۔فرمایا **لاالہ الا ھو الرحمن الرحیم** اورالہ تو ایک ہی ہے **من شک فیہ فھو کافر** (جس کو اس میں شک ہو وہ کافر ہے) یادرکھو اللہ ہی اسم اعظم ہے اگر اس کے توسل سے دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے، جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **واسم اللہ الاعظم الذی اذا دعی بہ اجاب و اذا سئل بہ اعطی** (ترجمہ) ''اور اللہ تعالیٰ کا وہ سب سے بڑا نام جس سے اس اللہ کو پکارا جائے وہ قبول فرماتا ہے اور اگر اس کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا جائے تو وہ عطا کرتا ہے''......اسم اعظم کے بارے میں سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے،ایک تو آیت الکرسی میں اور ایک سورۃ آل عمران کی پہلی آیت میں،یعنی **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** اور **الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** میں پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ ''**الحی القیوم**'' ہے اور بعض نے فرمایا اسم اعظم ''اللہ'' ہی ہے، میرے نزدیک اسی کو ترجیح ہے کہ وہ ''اللہ'' ہی ہے مگر اس کے ورد کا طریقہ وہی ہے جو اجازت دینے والا بتائے،جیسا کہ مریض اس وقت صحت یاب ہوسکتا ہے جبکہ معالج کی ہدایت کے مطابق دوائی استعمال کرے اور پرہیز کرے۔اگر آپ لوگ اسم اعظم پڑھنا چاہتے ہیں تو تین شرائط کے ساتھ تم کو بتاتا ہوں۔پہلی شرط تو یہ ہے کہ وعدہ کرو کہ یہ عمل حافظہ قوی کرنے کے لیے پڑھو گے تاکہ دینی علوم حاصل کر کے دین کی خدمت کرو،نہ اس لیے کہ تنخواہ زیادہ ہو اور چائے اور حلوے کا دور چلے جیسا کہ جامعہ میں اس کا دور ہے۔دوسری شرط یہ ہے کہ وعدہ کرو کہ اگر اسم اعظم پڑھنے کا طریقہ آ گیا تو اس سے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے قربانی دو گے۔یادرکھو آج کل سیلابوں کا دور ہے ایک سیلاب پانی کا ہے جو خانپور میں

آیا جس سے سارا شہر پانی میں ڈوب گیا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میں جس مسجد میں معتکف تھا وہ مسجد بھی بچ گئی اور کتب خانہ بھی بچ گیا۔ اور ایک سیلاب قادیانیت کا ہے جو بہت زیادہ خطرناک ہے اور یہ سیلاب جدہ، ریاض، مدینہ منورہ تک پہنچ چکا ہے یعنی بعض قادیانی پاکستانی ہونے کی وجہ سے گھس کر اپنا کام کر رہے ہیں ڈر ہے کہ کہیں لاکھوں کے ایمان کی کشتی نہ ڈوب جائے (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور سعودی عرب میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ الحمدللہ)

یاد رکھو اطمینان قلب اور تمام دکھوں کا علاج سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان اور آپ کی سچی اطاعت میں ہے، اس لحاظ سے بھی صحابہ کرام انصار ومہاجرین خوش بخت تھے ان کو یہ بے نظیر نعمت حاصل تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں پریشانی کے وقت سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر چہرہ انور کی زیارت کر کے سکون اور اطمینان قلب حاصل کر لیا کرتا تھا، آج تم بھی خوش نصیب ہو میں پاکستان میں کہا کرتا ہوں "**قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" اور اب کہتا ہوں "**قال صاحب ھذا الروضہ صلی اللہ علیہ وسلم**" یہ روضہ اقدس بھی شان والا، روضہ میں آرام فرمانے والے بھی شان والے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیٹنے والے بھی شان والے، ایک دن انصار اور مہاجریں حاضر خدمت تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک سے باہر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے ایک طرف صدیق اکبرؓ اور دوسری طرف عمر فاروقؓ تھے، جنابؐ کا دایاں ہاتھ صدیق اکبرؓ کے کندھے پر تھا اور بایاں ہاتھ عمر فاروقؓ کے کندھے پر تھا اور فرمایا **ھکذا نبعث** (اسی طرح ہم قیامت کے دن اس روضہ سے اٹھائے جائیں گے) اسم اعظم سیکھنے والوں کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے بعد قرآن و حدیث کی خدمت نہ چھوڑیں گے۔

یاد رکھو قرآن وحدیث اور دینی علوم پڑھنے کے لیے علماء قرآن وحدیث کی صحبت اور معیت بہت ضروری ہے اور غیر لوگوں کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عینک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا۔ (الکھف۔۲۸)

اور تھام رکھیں آپ اپنے جی کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طالب ہیں

اس کی رضا کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر دنیا کی رونق کی تلاش میں، اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور کرنے لگا اپنی خواہش کے کام اور اس کا کام حد سے بڑھنے والا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا: **ولا ترکنوٓ الی الذین ظلموا فتمسکم النار** (ہود:۱۱۳)

ترجمہ: اور مت جھکو ظالموں کی طرف ورنہ تم کو دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اسم اعظم تو اللہ ہی ہے مگر اس کے ورد کا خاص طریقہ ہے اس کے مطابق پڑھا جائے تو اس سے عقیدہ توحید کی عظمت دلوں میں بیٹھتی ہے جو کہ پہلا عقیدہ کہلاتا ہے، مگر اس کے ساتھ دوسرا عقیدہ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے اور یہ ایمان اسی وقت درست ہوسکتا ہے جبکہ آپ ﷺ کا ادب واحترام دل میں ہو اور آپ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت ہو۔ میں کافی عرصہ سے بیمار ہوں ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ آرام کیا جائے اور کوئی سفر نہ کیا جائے مگر عید قربان کے بعد خواب دیکھا کہ ''روضۂ انور کے سامنے کھڑا ہوں اور حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا قصیدہ پڑھ رہا ہوں'' تو بہت بے چین ہوا اور احباب کے منع کرنے کے باوجود کراچی پہنچا اور وہاں سے عمرہ کے لیے گیا۔ آپ نے حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے چند اشعار پڑھے جو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں آرام فرمانے کے بعد پڑھے تھے، ان اشعار کو ھدیہ ناظرین کیا جاتا ہے،

(۱) نبی اتانا بعد یاس وفترۃ
من الرسل والاوثان فی الارض تعبد

آپ ﷺ ایسے نبی ہیں جو نا امیدی اور کافی مدت کے بعد تشریف لائے جب کہ زمین میں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی

(۲) فامسی سراجا منیر اوھادیا
یلوح کمالاح الصیقل المھند

پس حضور ﷺ سراج منیر اور راہنما بن کر تشریف لائے آپ ﷺ اس طرح چمکے جیسے ہندی تلوار چمکتی ہے۔

(۳) فانذ رنانا را وبشر جنۃ
وعلمنا الاسلام فللہ نحمد

پس حضور ﷺ نے ہم کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا اور جنت کی خوشخبری سنائی اور ہم کو اسلام سکھایا پس ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(۴) تعالیت رب الناس عن قول

وماسواک الھا انت اعلی وامجد

اے تمام انسانوں کے رب تو ساری تعریف سے بہت ہی بلند اور بالاتر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی سب سے اعلیٰ اور عزت والا ہے۔

(۵) انت الہ الخلق ربی و مالکی

بذاک فی الناس ماعمرت اشھد

تو ہی سب مخلوق کا معبود ہے اے میرے رب اور میرے مالک اور میں تمام عمر لوگوں میں اسی کی شہادت دیتا رہوں گا۔

(۶) الخلق والنعماء الامر کلہ

فایاک نستھدی وایاک نعبد

تو ہی سب کو پیدا کرنے والا ہے سب نعمتیں عطا کرنے والا ہے تیرا ہی سب اختیار ہے تو ہم تجھ ہی سے ھدایت طلب کرتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

(۷) وانما شق لہ من اسمہ لیجلہ

فذوالعرش محمود وھذا احمد

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو اپنے اسم گرامی سے اشتقاق فرمایا یعنی عرش کے مالک خداوند تعالیٰ کا اسم گرامی تو محمود ہے اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد ہے (ﷺ)

(۸) ماان مدحت محمدا بمقالتی

لکن مدحت مقالتی بمحمد

میں نے یہ تعریف کر کے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں اضافہ نہیں کیا اس لیے کہ حضور میری نعت و مدح کے محتاج نہیں بلکہ اس کلام کو میں نے آپ کے ذکر عالی سے مشرف کیا ہے۔

یاد رہے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرنی ''فریضہ'' ہے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں، میری مسجد عظیم ہے جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے''۔

اس ارشاد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے **انا سید ولد ادم** فرما کر فخر نہیں فرمایا بلکہ نعمت خداوندی کا شکریہ ادا کیا ہے جس کا آپ کو حکم دیتے ہوئے خداوند قدوس نے فرمایا"**واما بنعمت ربک فحدث** "(ترجمہ) اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان فرماتے رہیں۔

کافروں کے مقابلہ کے وقت اپنی شان کا بیان کرنا بھی عبادت ہے جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر فرمایا **انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب** (میں سچا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔) اسی طرح غزوہ احد کے موقع پر ابوسفیان نے جب یہ کہا **این محمد کم** (وہ تمہارا محمد کہاں ہے (ﷺ) تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکمت کی بناء پر جواب دینے سے منع فرمایا مگر جب ابوسفیان نے یہ کہا **اما ھئو لاء فقتلو** (یہ سارے قتل کیے گئے) تو اس کو سن کر حضرت عمرؓ نے جلال میں آ کر جواب دیا **لقد ابقی اللہ من یخذیکم الی یوم القیمۃ** (اللہ تعالیٰ نے سلامت رکھا ان کو جو تم کو ذلیل کردیں گے قیامت کے دن تک) جب ابوسفیان نے **اعل ھبل** (اے ہبل تیری شان بلند ہو) کہا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جواب دینے کا فرمایا تو صحابہ نے جواب دیا **اللہ اعز و اجل** (اللہ تعالیٰ ہی عزت والا ہے اور جلال واحترام کا مالک ہے) ابوسفیان نے جب کہا **لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم** (ہمارا معبود عزی ہے اور تمہارا عزی کوئی نہیں) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو جواب دو، **لنا مولی ولا مولی لکم** (ہمارا مالک اور مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولی اور مددگار نہیں)...... حضرت درخواستی نے شرکاء مجلس سے فرمایا" تم مدینہ منورہ میں رہنے والے خوش نصیب ہو یہاں کے تمام روحانی اور پرنور مقامات دیکھتے ہو، تم احد پہاڑ کو دیکھتے ہو، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احد پہاڑ کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی تیز کردیتے تاکہ اس پہاڑ کے قریب جلدی پہنچ جائیں۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے **ھذا جبل احد یحبنا و نحبہ** (یہ احد پہاڑ ہے جو ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم کو اس کے ساتھ محبت ہے) احد پہاڑ کے دامن میں صحابہ کرام کا خون گرا، سید دو عام صلی اللہ علیہ وسلم کا خون گرا، یاد رکھو مدینہ منورہ میں امتحان ضرور ہوتا ہے، صحابہ کرام جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو کچھ صحابہ بیمار ہوگئے، ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے تو آپ بیماری کی حالت میں یہ کہہ رہے تھے،

کل امءِ مصبح فی اھلہ والموت ادنی من شریک نعلہ

(ہر انسان صبح اپنے خاندان میں کرتا ہے مگر موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی قریب ہے)

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سخت بخار کی حالت میں یوں کہہ رہے تھے ۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة بواد و حولی اذخر و جلیل

وهل اردن یوم ا میاه مجنة وهل یبدون لی شامة وطفیل

کاش میں ایک رات وادیٔ مکہ مکرمہ میں گزارتا اور میرے اردگرد مکہ مکرمہ کی گھاس ہوتی ......اور کاش میں کسی مجنہ کے پانی پر پہنچتا اور کاش مجھے مکہ مکرمہ کے شامہ اور طفیل پہاڑ نظر آتے ۔

ان کے شوق اور تڑپ کو دیکھ کر یہ دعا فرمائی ’’یا اللہ ان کے دلوں میں مدینہ منورہ کو اسی طرح محبوب فرمادے جیسا کہ تو نے ان کے دلوں میں مکہ مکرمہ کو محبوب فرمایا‘‘ ۔

یاد رکھو پہلا ادب تو خداوند قدوس کا ادب ہے اور دوسرا ادب ادبِ نبوی ہے یعنی سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر لازم ہے ۔مگر ان دونوں مقاموں میں اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ شانِ رب العالمین بلند وبالاتر ہے اور اس کے بعد شانِ محبوب رب العلمین ہے ۔ابن قیمؒ کے قصیدہ نونیہ کے چند اشعار ہیں

قالوا تنُصتم رسول الله واعجبا لهذا البغی و البهتان

بعض لوگ کہتے ہیں تم نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ،اس الزام تراشی پر بڑا تعجب ہے

لكننا قلنا مقالة صارخ بینکم فی کل وقت باذان

لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو پانچوں وقت مؤذن کہتا ہے ۔

الرب رب والرسول فعبده لیس لنا الهة ثان

رب تو رب ہی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ اس کے بندہ ہیں ، ہمارا دوسرا معبود نہیں ۔

لله حق لا یکون لعبده ولعبده حق هما حقان

اللہ تعالیٰ کے لیے وہ حق ہے جو اس کے بندے کے لیے نہیں البتہ اس کے بندے کا مستقل حق ہے اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ حق ہیں ۔

فلا تجعلو الحقین حقا واحدا من غیئر تمیز و لا فرقان

پس تم دو حقوں کو ایک حق نہ بناؤ یوں کہ دونوں میں کوئی بھی امتیاز اور فرق نہ رہو ۔

فالحج للرحمن دون رسوله و کذا الصلوة والذبح والقربان

پس یاد رکھو حج صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے نہ کہ رسولؐ کے لیے ،اسی طرح نماز اور قربانی بھی ۔

وکذا انذرنا وسجودنا و یميننا　　　وکذا متاب العبد من عصيان

اسی طرح ہماری نذر اور سجود اور قسمیں......اسی طرح گناہ سے توبہ کرنی یہ سب کام اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہیں۔

وکذا التوکل والانابة والتقی　　　وکذا لرجاء وخشية الرحمن

اسی طرح توکل اور انابت اور تقویٰ اور رجاء اور خوف اللہ تعالیٰ ہی کا ہونا چاہئے۔

وکذا التسبيح والتقديس والتهليل　　　حق الهنا الديان

اسی طرح **سبحان الله، الملک القدوس** اور **لااله الاالله** یہ سب ہمارے معبود برحق کے حقوق ہیں۔

وکذا العبادة والاستعانة　　　ب اياک نعبد ذا توحيدان

اسی طرح عبادت اور مدد طلب کرنی یہ بھی دونوں توحید ہی کا حصہ ہیں۔

لکنما التعزير والتوقير حق للرسول　　　بمقتضی الفرقان

لیکن ادب اور احترام یہ قرآنی تعلیمات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے (قرآن کریم سورۃ الفتح آیت ۹ میں فرمایا **تعزروه وتوقروه**)

والحب والايمان لا يختص　　　بل حقان مشترکان

اور محبت اور ایمان صرف اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ضروری ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ضروری ہے

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعوات لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب کوئی حاکم اُن پر مسلط ہوتا اُس کے لیے بددُعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا۔ حجاج ظالم کا جب وہاں تسلط ہوا تو اُس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اُس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بددُعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی اُن کے پیٹ میں داخل ہو گئی۔‘‘

(فضائل رمضان)

ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

اصلاحی مجلس

بعض حضرات مجالس میں اپنا کوئی مسئلہ لے کر آتے ہیں کہ مسئلہ حل کرنے کا کسی کو کہیں گے۔ کسی آدمی کا اگر کوئی کام ہو تو میں اپنی طرف سے کوشش کرتا ہوں کبھی کامیابی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن آدمی صرف اس نیت سے مجلس میں آیا ہو کہ مجلس میں جانے سے اللہ تعالیٰ مسئلے حل کرتا ہے تو فوراً حل ہو جاتے ہیں۔ عجیب تجربہ ہے، اور اگر کوئی صرف اس نیت سے آیا ہو کہ یہ اپنے تعلقات کو استعمال کرے گا تو وہ کبھی کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ کسی آدمی کو یہ خیال ہوا کہ ہم مسائل میں اُلجھے ہوئے ہیں کسی دینی مجلس میں جائیں گے تو وہاں کی برکت سے اللہ حل کر دیگا تو وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آنے والے کا اعتقاد ہوتا ہے تو اللہ اُس پر فضل فرما دیتا ہے۔ اعتقاد لے کر تو ہندو پتھر کے پاس جاتا ہے تو اُس کے مسئلے پتھر سے حل ہو جاتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا اشرفؒ صاحب سلیمانی بڑے اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے تھے، کوئی اُن کے پاس آجاتا تو اللہ تعالیٰ مسئلہ حل کر دیتا تھا۔ دم وغیرہ کرنا ساری باتیں کرتے تھے۔ اور نفعِ خلق کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھنا تاکہ اُن کی بیماری دُور ہو جائے، اِن کا کام بَن جائے اور اس پر آدمی کوئی معاوضہ نہ لے رہا ہو تو اس پر اَجر و ثواب بھی ہے کیونکہ یہ خدمتِ خلق کا کام ہے۔ شُکرانہ لینا بھی جائز ہے مگر پھر ثواب کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ جو تصوف کے سلاسل والے ہوں اگر وہ شُکرانہ لے کر دَم کریں تو اُن کی نورانیت کم ہوتے ہوتے ختم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کہ دَم اور پیسہ وغیرہ تو ہو جائیگا، موٹر بنگلہ وغیرہ تو ہو جائے گا مگر روحانیت نہیں رہے گی۔ تعلق مع اللہ ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کا واقعہ ہے کہ اُن کے گھر پر فاقہ ہوتا تھا، ایک دفعہ جب کہیں سے واپس آئے تو کچھ دِن تک فاقہ نہیں ہُوا تو اُنھوں نے اپنی گھر والی سے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی تو اُس نے جواب دیا کہ جن حضرت صاحب سے ہمارا بیعت کا تعلق ہے وہ تشریف لائے تھے۔ آپ دَورے پر گئے ہوئے تھے اور ہمارے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر گھروں میں پتہ کرایا اور قرضہ لینے کی کوشش کی مگر کچھ نہیں ملا۔ آخر حضرت صاحب نے پوچھا کہ کیا بات ہے ؟ تو اُن کو بتایا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے ہم نے کوشش کی لیکن کچھ بھی نہیں ملا۔ اس پر اُنھوں نے اپنی طرف سے ایک روپیہ دیا اور کہا کہ اس کا آٹا خرید کر لاؤ۔ جب ہم آٹا خرید کر لے آئے تو حضرت صاحب نے ایک تعویذ لکھ کر اُس میں رکھ دیا اور کہا کہ اِس میں سے آٹا نکال کر پکاتے رہیں۔ ہم پکاتے رہے مگر وہ ختم نہیں ہوتا۔ تو شاہ ابولمعالیؒ

نے کہا کہ سُبحان اللہ اِتنا مُبارک تعویذ حضرت صاحب نے دیا ہے وہ تعویذ لا کر دِکھاؤ۔ جب گھر والی نے تعویذ لا کر دکھایا تو کہا کہ یہ تو ہم اپنی دستار میں باندھ کر رکھیں گے کہ اِس کا تبرک ہم کو حاصل ہو۔ اور اس طرح آٹا ختم اور پھر فاقے شروع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص تعلق والے بندے اللہ تعالیٰ کے کلام کو اِس معمولی کام کے لیے استعمال نہیں کرتے۔ حضرت تھانویؒ کی بیان کردہ مثال ہے کہ آپ کے کوئی ایسے بزرگ ہوں جن سے آپ کا بیعت کا تعلق ہو اور وہ آپ کے گھر آئے ہوں اور آپ اُن کو دروازے پر کھڑا کردیں کہ آج رات ہمارے گھر کا چوکیدارہ کرینگے۔ تو چوکیدارہ تو ہو جائے گا مگر کیا یہ مناسب بات ہوئی! شاید مناسب نہ ہوئی کہ اتنا معزز مہمان آیا اور اس سے ایسا کمتر کام لیا۔ ایسے ہی اللہ والے اللہ کے کلام کو اجر و ثواب اور آخرت کی نیت سے پڑھتے ہیں کہ اِس کا جو اصل مقصد اَجر و ثواب ہے وہ ہمیں آخرت میں ہی ملے۔

البتہ ایک بات متفق علیہ ہیں کہ کسی کے مسئلے کے حل کے لیے دُعا مانگنا اور وظیفہ پڑھنا جائز ہے۔ دُعا مانگنا مسنون عمل ہے اُس پر اجر و ثواب بھی ہے اور اگر کام ہوا تو مزید فائدہ ہے۔ ورنہ اجر و ثواب تو ہے ہی ۔مگر ہم ضعفاء ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو پڑھ کر صرف دنیا ہی کو مانگتے ہیں، قیصر صاحب ہمیں قصہ سُنا رہے تھے کہ صوابی میرا کے خوانین میں سے ایک صاحب تھے، بڑی زمین و جائیداد کے مالک تھے۔ ایک دفعہ اپنے دو بیٹوں کو لے کر کسی بزرگ کے پاس گئے تو اُنھوں نے ان کو چائے دی۔ ایک بیٹے کے آگے کی تو اُس نے کہا کہ ''نہیں پیتا ہوں'' اور پیشانی پر بَل لایا۔ اور دوسرے کو دی تو اُس نے پی لی۔ اُن بزرگ نے کہا کہ حاجی صاحب تیرے اِس بیٹے سے خطرہ ہے۔ تو واقعی اُس سے قتل ہُوا مفرور ہوا اور بڑی بدنامی کا باعث بنا۔ اور دوسرا جو ہے بڑا کاروباری ہے۔ اپنے برابر کے آدمی پر غصہ آئے تو خیر لیکن فقراء کی مجلس میں غصہ آئے تو یہ خطرے کی بات ہوتی ہے۔ بعض اوقات تو یہ لوگ کسی امتحان کے لیے بھی آدمی کو سخت باتیں کہہ دیتے ہیں۔ ہم جب کوئٹہ میں جماعت میں چل رہے تھے تو ظہر کے بعد امیر صاحب نے مُجھ سے کہا کہ تعلیم کرو۔ میں نے تعلیم کی۔ تعلیم میں دو چار حدیثیں پڑھنے کے بعد لوگوں کو بتایا کہ عصر کے بعد گشت ہوگا، مغرب کے بعد بیان ہوگا اور دعا کر کے لوگوں کو رخصت کر دیا۔ حضرت مولانا محمد احمد صاحب بھی اُس جماعت میں تھے (رائے ونڈ کے اجتماع میں بیان کرتے ہیں، عالم بھی ہیں اور بڑے پرانے بزرگوں میں سے ہیں) اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ بات سنو۔ تو نے لوگوں کو دعا کرنے کے بعد رخصت کر دیا۔ تجھ کو چاہیئے تھا کہ اس بات کو کہہ کر اپنی تعلیم جاری رکھتا اور اُس کے بعد اگر کوئی بیٹھتا تو بیٹھتا ورنہ چلا جاتا۔ میں تو کالج کا مقرر (Debator) اور لیڈر قسم کا

آدمی تھا، کوئی الیکشن ہوتا تو اُس کو میں نے لڑنا ہوتا تھا، کوئی Debate (تقریری مقابلہ) ہے تو اُس میں جانا ہے، کوئی مضمون کا مقابلہ ہے تو اُس میں جانا ہے اور کسی چیز میں کسی کو آگے نہیں چھوڑنا ہے۔ ایسی طبیعت تھی تو مجھے آیا غصہ کہ سارے لوگ تو ایسا ہی کرتے ہیں اور مجھے سے ایسا کہا جاتا ہے لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ اللہ والے بزرگ ہیں مجھے اُن کے سامنے غصہ نہیں کرنا چاہیے، میں نے کہا کہ حضرت ہم تو اسی طرح سے ہی سب کرتے ہیں۔ تو اُنھوں نے کہا کہ اس طرح نہیں کرنا چاہیے، برخودار آپ لوگ اُن کو اپنا پروگرام بتا دیا کریں اور اپنی تعلیم جاری رکھا کریں، اگر آپ نے جاری رکھا ہوتا تو کوئی آدمی ایک حدیث زیادہ سن لیتا تو اُس کا ثواب ہو جاتا اور فائدہ ہو جاتا، آپ نے اس سے محرومی کر دی۔ تو میں نے کہا کہ اُوہو میں نے واقعی بڑی غلطی کر دی۔ ایک تو یہ بات اور دوسرے یہ خیال آیا کہ میرا عام طور پر جو بھڑک جانے کا مزاج ہے تو شکر ہے کہ اللہ والوں کے سامنے بھڑکنا نہیں ہوا کہ یہاں بھڑک اُٹھتا تو دنیا و آخرت کا نقصان اُٹھانے کا خطرہ تھا۔

اللہ والے کا کیا عام آدمی کا دل بھی دکھ جائے تو اُس سے بھی تکلیف آسکتی ہے۔ عام آدمی کیا کہ اگر جانور کتے اور بلی کا دل بلا وجہ دکھ جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ بچھو ڈوب رہا تھا پانی میں تو اللہ والے نے ہاتھ پر ڈال کر اُس کو پانی سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اُس نے ڈنگ مار دیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت جی آپ نے عجیب بات کی۔ کہ ڈنگ مارنے والے بچھو کو بھی آپ نے پانی سے اُٹھا کر نکال دیا اور اُس نے ڈنگ بھی مار دیا۔ تو جواب دیا کہ اُس نے اپنا کام کیا۔ میں نے اپنا کام کر لیا۔ شرعاً اُس کا مارنا جائز ہے۔ بلکہ ثواب بھی ہے بچھو کے مارنے میں۔ ڈنگ مارنے والی چیز کے مارنے میں ثواب بھی ہے۔ کہ بعض بندوں کا کرم اور ترس ''وحدت الوجودی'' ہوتا ہے۔ کہ اُس پر بھی ترس آ رہا ہے۔ تو بعض بندوں کے کام بڑے مشکل بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو ہمارے ساتھی کہتے ہیں۔ کہ یہ تو بڑا با ادب ہے اور بڑا عاجزی کرتا ہے۔ آپ کے سامنے جب آتا ہے تو میں اُن کو کہا کرتا ہوں کہ میرے سامنے کرتا ہے۔ باقی لوگوں کے ساتھ تو نہیں کرتا۔ اور عادت اور خصوصیت اِس کو کہتے ہیں کہ آدمی وہ برتاؤ سب کے ساتھ کرے۔ بزرگوں نے لکھا ہوا ہے۔ کہ بزرگوں کی خدمت کرنا آسان ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات بزرگوں کی خدمت ذریعہ کبر بنتی ہے۔ کہ لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کے خادم ہیں جی۔ اور یہ بھی بڑے فخر سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ ہم نے فلاں بزرگ کی خدمت کی ہے۔ وہ اِس لیے کہ یہ بزرگ تھے لہذا ہم بھی اب بڑے آدمی ہیں۔ بزرگوں کی خدمت جو کرنی ہوتی ہے۔ تو اُن سے خدمت سیکھنے کے لیے کرنی ہوتی ہے۔ کہ اُس سے ساری مخلوق خدا کی خدمت کرنے لگے

کہ جب تک ہمارے اور آپ کے دل میں ساری مخلوق کے لیے ایسا ترس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اپنے بال وبچوں کے لیے، اپنے ماں باپ کے لیے اور ایسا لحاظ ادب جیسا کہ اپنے مشائخ کے لیے ہوتا ہے۔ نہیں ہوتا تو یہ آپ نے اخلاق نہیں سیکھا ہے۔ مفاد سیکھا ہے۔ کیونکہ بزرگوں کے پاس بھی مفاد نظر آ رہا ہے۔ دعا قبول ہو جائیگی۔ کام بن جائینگے۔ چلو بزرگی مل جائیگی۔ اگر دنیاوی مفادات سامنے نہ ہوں تو روحانی مفادات سامنے ہیں۔ اور اُس وجہ سے آدمی جھک رہا ہے۔ خدمت کر رہا ہے۔

آپ دو بھکاریوں کو دیکھیں گے۔ کہ ان میں سے ایک بھکاری بڑا سر جھکائے کہہ رہا ہے۔ کہ غریب ہیں۔۔ تنگ دست ہیں مر رہے ہیں۔ فاقے میں ہیں اور دوسرا بھکاری اُدھر کہہ رہا ہے۔ کہ غریب ہیں تنگدست ہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ایریا میں اکٹھے ہو گئے۔ تو دونوں نے جو ایک دوسرے کو گالیاں دیں گے۔ اور ایک دوسرے پر غصے کریں گے۔ تو اُس وقت اندازہ ہوا کہ یہ اُن کا اصلی مزاج ہے کہ اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو بھیک مانگنے تک پہنچایا ہوا ہے۔ یہ اُن کا باطن ہے جو ذلت، بے عزتی اور گالیاں دینا اور ناترسی اور کسی پر رحم کا نہ ہونا اِسی وجہ سے اَب بھیک مانگنے کے حالات آئے ہوئے ہیں۔ اور وہ اُن کے مفادات کے لیے گردن کو ٹیڑھا کرنا اور منہ ٹیڑھا کرنا اور عاجزی کرنا اور مانگنا وہ اُن کا پیشہ ہے۔ وہ اخلاق نہیں ہے۔ بلکہ پیشہ ہے یورپ کے لوگ بازاروں میں اخلاق برتتے ہیں۔ دیانتداری برتتے ہیں تو اس لیے کہ وہاں کی منڈی میں مقابلہ اِس چیز کا ہے۔ کاروبار اُس آدمی کا چلتا ہے کہ جو آدمی فیئر (صاف گو) ہوتا ہے۔ کاروبار اُسی کا چلتا ہے اِس لیے اُنھیں اس چیز کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس کو وہ انسان کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تو نہیں کر رہے۔۔ اور آخرت کو بنانے کے لیے تو نہیں کر رہے یہاں پر ایک پٹرول پمپ ہوتا تھا۔ تو اُس پر میں پٹرول ڈلوانے کے لیے جاتا تھا۔ تو وہ کہتا تھا آگے ہو جاؤ پیچھے ہو جاؤ۔ گاڑی سیدھی ٹھیک نہیں کھڑی کر سکتے۔ تو یہ جو یہودیوں کا پمپ بنا۔ Shell۔ تو اُنھوں نے اپنے آدمیوں کو وردی پہنا کر کھڑا کیا۔ اور اُنھوں نے کہا اپنے آدمیوں کو۔ کہ آنے والے شخص کو سلام کیا کرو۔ اور گاڑی کو ایسے دھویا کرو۔ اور پیٹرول اُس کی گاڑی میں ڈال کر دیا کرو۔ تو اِن کے مقابلے میں وہ آئے پھر اِن لوگوں نے بھی اپنے آدمیوں کو وردیاں پہنائی اور بات کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ تو اس لیے تو نہیں۔ کہ آدمی کی عزت کریں اور ان کو اجر وثواب ہو۔ کہ یہ لوگ انسان ہیں۔ مسلمان ہیں۔ بلکہ دوسرا آدمی کاروباری میدان میں پیسہ ہم سے مار رہا ہے۔ اور ہمارے پاس تو کوئی آئیگا ہی نہیں۔ اور ہم ایسے کے ایسے ہی رہینگے۔ اور اگر یہ پیلی و سرخ رنگ کی

وردی اگر نہیں پہنیں گے۔ میلے کچیلے رہینگے۔تو پھر ہمارے پاس کون آئیگا۔تو یہ اس لیے تو نہیں کر رہے کہ اس سے کسی کا دل خوش ہو یا کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ان کے لیے کوئی دعا ہو۔نہیں بلکہ وہ تو اپنا پیسہ کمانے کے لیے کر رہے ہیں۔تو یہ کاروباری اور بازاری اخلاق ہوتا ہے۔حقیقی اور اُخروی نہیں ہوتا۔کاروبار میں اور بازار میں برتنے کے لیے۔وہ رسالے میں ایک مضمون میں ثاقب صاحب نے یہ لکھا۔کہ ایک بزرگ مسجد میں آئے۔تو پہلی صف میں جگہ نہیں تھی تو دوسری صف میں اُنھوں نے نماز پڑھی۔تو اب سلام پھیرتے وقت بڑی شرمندگی ہو رہی ہے۔ بڑی خفت ہو رہی ہے۔کہ لوگ کہیں گے کہ اس نے دوسری صف میں نماز پڑھی ہے۔تو خفت و شرمندگی محسوس ہوئی۔تو اُس دن احساس ہوا۔کہ پہلی صف میں جو کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔تو اِس لیے پڑھ رہا تھا۔کہ پابندِ صوم وصلوٰۃ، بزرگ اور نیک آدمی پہلی صف میں نماز پڑھا کرتا ہے۔اور دوسری صف میں آنے سے وہ بزرگی کا بھرم کھلا ہے تو اُس کا خاتمہ ہوا ہے تو لہٰذا یہ تو بھرم کے لیے ساری بات ہو رہی تھی۔دھرم کے لیے نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ بھرم کے لیے۔ ہندی میں دین ومذہب کو دھرم کہتے ہیں۔ بھرم بھی ہندی لفظ ہے۔ یہ الفاظ جو بھ اور دھ سے بنتے ہیں وہ ہندی ہوتے ہیں سنسکرت ہوتے ہیں۔تو کہتے ہیں اُن بزرگ نے ۳۰ سال کی نمازیں دُھرائیں۔کہ میرے باطن میں تو یہ جذبہ تھا۔جس کے تحت میں استعمال ہوتا رہا۔اُس دن کوئی پیروں کا خلال پوچھ رہا تھا۔تو بتایا ایک ساتھی نے کہ ایسے نیچے سے کرتے ہیں۔تو دوسرا ساتھی کہنے لگا۔ کہ اُوپر کی طرف سے بڑا آسان ہوتا ہے۔تو میں نے کہا کہ تم اُوپر سے کرو ہمیں کیا ہے۔ہم نے تو آپ کو مسنون طریقہ بتایا ہے کہ ایسے نیچے سے کرنا ہوتا ہے۔ایک بزرگ تھے۔کہ اُن کو کچھ عرصہ کے بعد پتہ چلا کہ خلال تو ایسے نیچے سے کرنا ہوتا ہے تو اُنھوں نے کئی سال کی نمازیں دُھرائیں۔کہ میرا وُضو ایک مستحب کے خلاف ہُوا ہے۔لہٰذا اُس کو دُرست کرنا چاہیے۔کہ کوئی کمی رہ گئی ہو تو وہ پوری ہو جائے حالانکہ دھرانا ذمہ نہیں تھا۔کہتے ہیں۔کہ کسی آدمی نے فرض دھرائے اور وہ فرض اُس کے ذمے نہیں رہتے تھے تو نفلوں کا ثواب اُس کو ہو گیا۔اہلحدیث کا مسلک نمازیں دُھرانے کا نہیں ہے۔کہ جو قضا ہو گئیں، قضا ہو گئیں۔اور قصداً کی ہوئی ہیں۔اِسلیئے دُھرانا ضروری نہیں ہے۔اور ہم کیوں دھراتے ہیں۔؟ ایک وجہ تو یہ ہے۔کہ حضورﷺ نے دُھرائی ہیں۔اُس دَور میں قصداً تارک وصلوٰۃ ہوتے نہیں تھے۔لوگوں میں بعد میں بے دینی آئی ہے۔اُس دور میں لوگ شرابی تو ہوئے ہیں مگر بے نمازی نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ چوریاں کرنے والے بھی نماز پڑھتے تھے۔تارک الصلوٰۃ نہیں ہوتے تھے۔کیونکہ تارک الصلوٰۃ ہونا اِتنا بڑا جرم ہے۔کہ بعد کفر کے بدکاری و

زنا وقتل سے بھی بڑا جُرم ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ آتا ہے۔کہ اُن کے شہر کے محلے میں ہوگئی چوری ہے اور چور چونکہ اُسی محلے کے تھے تو آدمی نے چوروں کو پہچان لیا۔اور اُنھوں نے آکر اُس آدمی سے کہا کہ اگر کل تو کسی کو یہ بات بتائے کہ توقسم کھا کہ تم پر تمھاری بیوی تینوں شرطیں طلاق۔اَب آدمی کیا کرے کہ اُنھوں نے ہاتھ میں تلوار پکڑی ہوئی ہے۔تو اَب اُس سے تینوں شرطیں طلاق کروالیں۔اَب وہ بیچارہ آدمی کہ مال بھی چوری ہوا ہوا ہے اور کسی کو بتا بھی نہیں سکتا۔کرے تو کیا کرے۔اور پریشان ہے۔کہ مال بھی گیا۔اور اگر مال کا کہتا ہوں تو بیوی جاتی ہے۔تو خیر کسی نے کہا۔کہ آپ کو جو کوئی بھی تکلیف ہے آپ امام ابوحنیفہؒ سے ملیں اور جو کوئی بھی تکلیف ہے اُن سے بیان کریں۔تو وہ آپ کو حل بتا دینگے۔تو اُنھوں نے کہا کہ اِنشااللہ میں آپ کا مسئلہ حل کرونگا اور بیوی بھی طلاق نہیں ہوگی۔تو وہ آدمی چلا گیا اُس نے اور علماء کرام کو بھی بتایا کہ وہ ایسے کہتے ہیں کہ آپ سے میں چوروں کو بھی معلوم کرواؤنگا اور بیوی بھی طلاق نہیں ہوگی۔اہل حق اور اہل اللہ کے ہمیشہ مخالف ہوتے ہیں۔تو اُنھوں نے کہا کہ بڑی قابلیت آئی ہے۔کہ بیوی بھی طلاق نہیں ہوگی اور چور بھی معلوم ہوجاینگے۔آہ آہ آہ! کہ نیا مسئلہ نکالے گا فقہ میں۔خیر اُنھوں نے کہا۔کہ میں نماز آپ کے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آونگا۔چلے گئے وہاں نماز پڑھنے کیلئے۔جب نماز ہوگئی تو اُنھوں نے کہا کہ اب باہر کوئی نہ نکلے مسجد کے دروازے بند کر دیئے۔اُس آدمی کو کھڑا کیا اور کہا کہ اب میں ایک ایک آدمی کر کے نکالو ں گا تو جو چور نہ ہو تو یہ کہتے جانا۔کہ یہ چور نہیں ہے۔اور جب چور نکلنے لگے تو چُپ ہو جانا۔یہ نہ کہنا کہ یہ چور ہے۔

اب ایک ایک آدمی کو نکال رہیں ہیں جوں چور آیا تو وہ خاموش ہوگیا۔تو اُس کو پکڑ لیا گیا۔پھر ایک ایک آدمی کر کے نکال رہے ہیں۔پھر ایک آدمی پر خاموش ہوگیا۔تو اُس کو بھی
پکڑ کر الگ کر دیا۔اور اِسی طرح تیسرا آدمی بھی پکڑ کر علیحدہ کر دیا۔پھر باقی سارے چلے گئے۔تو اِس طرح سارے چور پکڑے گئے۔ تو اب اُس آدمی نے باقی تمام علماء کرام کو تدبیر سُنائی تو اُنھوں نے کہا کہ واقعی اِس شخص کا دماغ کام کرتا ہے۔یہ واقعہ اس بات کو واضح کرنے کیلیے سنایا ہے۔کہ اس زمانے کے چور بھی تارکِ صلوٰہ نہ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

پشاور یونیورسٹی کے تبلیغی جماعت کے کام کے شروع کے پچیس سالہ دور میں ہمارے حضرت مولانا ہی امیر تھے۔حضرت کے ساتھ بندہ کو کام کرنے کی توفیق تھی۔ بندہ پر حضرت کی بہت شفقت تھی اور اعتماد فرماتے تھے۔یونیورسٹی ہاسٹلوں کے امیر اُنھوں نے ہی بنانے ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ بندہ ہی سے رائے لیتے تھے۔تو جب نیا سال شروع ہو جاتا تو امیر بنانے کا یہ طریقہ کرنا ہوتا تھا۔کہ ساتھی سارے شبِ جمعہ چلے جاتے تھے۔اور جس کو امیر بنانا ہوتا تھا۔تو اُس کو میں کہتا تھا۔کہ تو کھانا لے کر آئیگا آج ساتھیوں کے لیے سر پر اُٹھا کر دیگچے بھرے ہوئے چاولوں کے۔جمعہ کی شب کو اتفاقاً فرنی ہوتی تھی۔انگریزوں نے کالج تو ایسے ہی آباد نہیں کیے۔جمعہ کو چھٹی نہ رکھی اور پھر سویٹ ڈیش بھی رکھ دی۔تا کہ گھروں کو نہ جائیں اور مسجد میں مولوی کی بات نہ سن لیں۔تو سارے چاول، پلاؤ، فرنی اور ساری چیزیں لیکر اُس نے پہنچانی ہوتی تھیں۔اور پھر اُس کے ذمے ہوتا تھا۔کہ کھانا ساتھیوں کو کھلائے۔تو کھانا ساتھیوں کو کھلانا شروع کر دیتا تھا۔تو میں شروع ہو جاتا تھا۔کہ اس کی شکل کو دیکھو کہ اس نے دیگچے کو کیسے باندھا ہے۔اُس کو تو پلیٹ اُٹھانا نہیں آتا ہے۔یہ خدمت نہیں کر سکتا ہے۔تو آدھا گھنٹہ میں نے اُس کو لتاڑنا ہوتا تھا۔تو جو آدھ گھنٹہ کی لتاڑ سن لیتا تھا اُس کو امیر بنا دیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ لڑکوں نے ایک لڑکے کے بارے میں کہا کہ یہ فلاں علاقے کا خان ہے اور یہ شخص شیخ القران کے درسوں میں بیٹھا ہوا ہے۔اور یہ بڑے دیندار لوگ ہیں۔اور بڑی اچھی تقریر کرتا ہے تبلیغ میں۔تو اس کو ڈاکٹر صاحب امیر بنانا ہے۔میں نے کہا۔اچھا اِنشاءاللہ۔تو میں نے کہا کہ ساتھی شبِ جمعہ میں جارہے ہیں۔آپ کھانا لے کر آئینگے۔ خیر کھانے کے دیگچے وغیرہ بھرے اور سر پر رکھ کر آیا شبِ جمعہ میں۔خدمت پر جب کھڑا کیا اُس کو تو میں نے کہا۔کہ اِس کو دیکھو جی اِتنا لمبا اِسکا قد ہے۔اور خدمت کرنی اِس کو نہیں آتی ہے۔یہ ہے، وہ ہے وغیرہ غرض اس طرح لتاڑنا شروع کیا۔میری ان باتوں سے اُس کو غصہ آنا شروع ہوا۔اور میں اِس کے چہرے کو دیکھ رہا ہوں۔اور اس کا مزاج خراب ہو رہا ہے۔ہو رہا ہے۔اُس کا مزاج زیادہ خراب ہوا۔یہاں تک کہ اُس کا کام ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ پیچھے مڑا اور اُس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بس خدا کے لیے اِتنا کافی ہے اِس سے آگے اور کوئی بات نہ کرنا۔۔تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اس کو آپ امیر بنانا چاہتے تھے۔اِس میں استعداد و صلاحیت ہی نہیں ہے۔اُنھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جی۔

اندازہ ہوا کہ یہ شخص نہ کام میں چل سکے گا اور نہ ہی سنت زندگی اختیار کر سکے گا۔ اور وہ شخص ابھی تک اُسی طرح کی زندگی گزار رہا ہے۔

تو اسی لیے کہتے ہیں کہ آدمی جب سلاسل میں بیعت ہونے کی نیت کرے تو یہ نیت کرنی ہوتی ہے۔ کہ اگر ایک لنگوٹ باندھ کر پھرنے کا کہا گیا۔ تو پھریں گے۔ مکتوبات صدی میں بعض اولیاء کرام کے بھیک مانگوانے کے حالات لکھے ہوئے ہیں۔ کہ بعض اوقات مرید ہوا اور گلے میں اُس کے کشکول ڈالا اور جھولی ڈالی اور کہا کہ جا کر کے سارے شہر سے بھیک مانگ کر آؤ۔ با قاعدہ اُس میں لکھا ہوا ہے۔ ہاں بلکہ اُس میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ آدمی کو بھیک مانگنے پر لگایا تو جب کچھ دنوں کے بعد اُس نے کہا کہ شیخ صاحب اب تو بُرا حال ہے کہ کوئی بھیک بھی نہیں دیتا ہے اور اُلٹا تنگ بھی کرتے ہیں۔ بُرا بھلا بھی کہتے ہیں۔ بھیک بھی نہیں دیتے ہیں اب تو یہ حال ہو گیا ہے تو اُنھوں نے کہا کہ اب اپنی قیمت کا پتہ چلا۔ تو اُنھوں نے کہا کہ ہاں جی اب پتہ چلا ہے۔ تو اُنھوں نے کہا۔ اچھا اب تو اس جھولی کو اُتار دہ۔ اور کشکول کو چھوڑ ادو۔ اور اب آجاؤ۔ کہ اب اصلاح کے رُخ پر آ گئے ہو۔

مجلس میں سے ایک ساتھی نے سوال کیا کہ کسی دینی شخص کا دن منایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یا کوئی بزرگ یا دینی شخص شہید ہو گیا ہو تو اُس کی یاد میں دن منا سکتے ہیں یا نہیں۔ شرعی طور پر جائز ہے؟ (تو جواب میں حضرت نے فرمایا کہ) دن منانا تو ہماری اِسلامی شریعت میں حضور ﷺ کے لیے نہیں کیا گیا۔ خلفاء راشدین کے لیے نہیں کیا گیا۔ دن منانا عیسائیوں کا ایک طریقہءِ طرز ہے۔ اور دن منانا تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ کسی دن بھی یا کسی مہینہ یا سال کے کسی دن بھی حضور ﷺ کی سیرت اور مناقب پر بیان کر دیں۔ صحابہ کرامؓ کے مناقب بیان کر دیں۔ اشتہار آپ نے لگا دیا کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق کے مناقب کیلیے بیان ہوگا۔ یہ صورت تو جائز ہے۔ لیکن دن منانا۔ اسکی ترتیب شریعتِ اسلامیہ میں نہیں گزری ہوئی۔ ہمارے اکابرین خاص طور پر حضرت تھانویؒ صاحب تو اپنی خانقاہ میں کام کرتے رہے ہیں۔ اور دورے پر جاتے ہوئے مختلف جگہوں پر بیان کرتے رہے ہیں اور سادہ سی بات تھی کہ بس دین کی بات بیان کرنے آئے ہیں۔ نہ یہ تھا کہ کوئی دن منا رہے ہیں یا یہ کہ سیرت کا جلسہ کر رہے ہیں اور نہ کوئی موضوع ہے بس یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی بات بیان کرنے آئے ہوئے ہیں اور لوگ فائدہ اُٹھانے کے لیے آ جائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الطاف حسین صاحب

جعلی پیر جھوٹے فقیر

آج کل لوگ خود سے بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کوشش نہ بھی کرے تو عوام کے مصافحہ اور ہاتھ پیر چومنے سے اس کو شبہ ہوتا ہے کہ میں ضرور کچھ ہوں، جبھی تو یہ لوگ میری اس قدر تعظیم کرتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ انسان کو اپنے وہ عیوب بھی خوب معلوم ہوتے ہیں جن کو دوسرے نہیں جانتے تو گویا دوسرے لوگ اس کے عیوب سے جاہل ہیں مگر یہ شخص ان جاہلوں کی تعظیم وتکریم سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں واقع میں اسی قابل ہوں اور جو عیوب اسے یقیناً اپنے اندر معلوم ہوتے ہیں ان سے قطع نظر کر لیتا ہے بلکہ ان کو بھول جاتا ہے اور اپنی حماقت وجہل سے اس حکایت کا مصداق بن جاتا ہے،

ایک نائن نے ایک بی بی کو نتھ اتار کر منہ دھوتے دیکھا، نتھ اتارنے سے سمجھی کہ بیوہ ہوگئی (اس دور کا رواج تھا کہ نتھ جو ایک زیور ہے شوہر کی وفات پر اتار دیا جاتا تھا) دوڑی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آئی کہ کیا بیٹھا ہے، فلانے کے پاس (یعنی اس بی بی کے شوہر کے پاس) دوڑ اور خبر کر کہ تمھاری بی بی بیوہ ہوگئی۔ وہ نائی بھی ایسا ہی احمق تھا، شوہر کے پاس پہنچا پھر وہ شخص بھی بیوقوف ہی تھا، نائی سے پوچھا کہ گھر میں خیریت ہے؟ نائی نے کہا حضور اور تو سب خیریت ہے مگر آپ کی بیوی بیوہ ہوگئی ہے۔ بس یہ خبر سن کر آپ نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ ایک دوست ان سے ملنے آئے پوچھا، خیر تو ہے یہ رونا پیٹنا کیوں ہو رہا ہے؟ کہنے لگے کہ میری بیوی بیوہ ہوگئی ہے اس نے کہا، خدا کے بندے ہوش سے کام لے، جب تو زندہ سلامت موجود ہے تو بیوی کیوں کر بیوہ ہوگئی؟ آپ جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں مگر گھر سے آیا ہے معتبر نائی۔

بس یہی حالت آج کل اکثر لوگوں کی ہو رہی ہے کہ وہ اپنے عیوب کو اچھی طرح جانتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کسی قابل نہیں مگر لوگوں کی تعظیم وتکریم سے یہ خیال کرتے ہیں کہ معتبر لوگ میرے معتقد ہیں شاید ان لوگوں کو میری حالت مجھ سے زیادہ معلوم ہے اور میرے اندر وہ عیوب بھی شاید نہ ہوں جو مجھ کو معلوم ہوتے ہیں بس وہی قصہ ہو رہا ہے کہ گھر سے آیا ہے معتبر نائی۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

ترجمہ: اپنے ہیرے کو صاحبِ نظر کو دکھاؤ۔ کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے کسی کو عیسیٰ علیہ السلام نہیں کہنے لگتے۔

(خطبات حکیم الامت، علم وعمل)